حرفِ آغاز

خدمتِ خلق — دینی نقطۂ نظر سے

سید جلال الدین عمری

مرکز جماعت اسلامی ہند نئی دہلی میں شعبۂ خدمتِ خلق کے ذمے دارانِ حلقہ جات کا دوروزہ ورک شاپ مؤرخہ ۳۰۔۳۱/ جولائی ۲۰۱۶ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے افتتاحی اجلاس میں مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند نے جوخطاب فرمایا تھا، وہ موصوف کی نظرثانی کے بعد افادۂ عام کے لیے ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ (رضی الاسلام)

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، أما بعد۔

محترم شرکائے اجلاس! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس پروگرام میں مَیں آپ سب کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ اجلاس جس مقصد سے طلب کیا گیا ہے وہ پورا ہو اور ہم نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھائیں۔ اس وقت میں بہ طور یاد دہانی دو ایک باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراؤں گا۔

خدمتِ خلق۔ رضائے الٰہی کا ذریعہ

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ خدمتِ خلق کا کام اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دنیا میں اور ہمارے ملک میں بھی مختلف رفاہی

تنظیمیں (NGOs) کام کرتی ہیں۔ ان کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں۔ بظاہر ان کی تگ ودو کے پیچھے انسانوں سے ہم دردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، لیکن عموماً ذاتی مفادات بھی اس میں کام کرتے ہیں۔ یہ بات کہ خدمتِ خلق اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوش نودی کا ذریعہ ہے، یعنی اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگا اور آخرت میں اچھے اجر سے نوازے گا، یہ تصور ان کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ اسلام نے خدمتِ خلق کو رضائے الٰہی سے جوڑا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں صرف وہی عمل قابلِ قبول ہے جو اللہ کی خوش نودی کے لیے انجام دیا جائے۔ جس عمل میں دوسری اغراض شامل ہوجائیں وہ اس کے یہاں شرفِ قبولیت نہیں حاصل کرسکتا۔

ایمان اور اخلاق

اسلام نے شروع ہی سے اخلاق پر بڑا زور دیا ہے۔ اگر آپ قرآن مجید کی ابتدائی تعلیمات کو دیکھیں تو توحید، آخرت، رسالت جو بنیادی عقائد ہیں، ان کے ذکر کے ساتھ جہاں وہ نماز کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کا ذکر کرتا ہے، وہیں اخلاق کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بااخلاق ہوتے ہیں، ان کے اندر دیانت اور امانت ہوتی ہے، وہ باعفت ہوتے ہیں، کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے، سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ یہ گویا اسلام کی تعلیمات کا وہ حصہ ہے جو ہمیں شروع سے قرآن میں تفصیل سے ملتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ دیکھیں گے کہ قرآن میں کہا گیا ہے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ** (بے شک اہل ایمان کام یاب ہوگئے) وہ اپنی مراد کو پہنچ گئے، انہوں نے اپنی منزل پالی، ان کی کام یابی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ بات اس پس منظر میں کہی گئی ہے کہ اس وقت اہلِ ایمان کے بارے میں مخالفین کہتے تھے کہ ان لوگوں نے اپنی زندگیاں تباہ کرلی ہیں، نقصان اٹھا رہے ہیں، رشتہ داروں سے کٹ رہے ہیں، قبیلے کی حمایت سے محروم ہو رہے ہیں اور ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اس پس منظر میں قرآن نے کہا کہ نہیں، یہ لوگ کام یاب ہیں۔ جن کو تم ناکام

سمجھتے ہو، ان کی کام یابی میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ ایمان والے کون ہیں؟ ضروری نہیں کہ کام یاب شخص مال و دولت والا ہو، عزت اور شہرت والا ہو، اس کا دبدبہ ہو، خاندان اور قبیلے کی حمایت اسے حاصل ہو، حریفوں کا مقابلہ کرسکتا ہو۔ نہیں۔ کام یاب تو وہ لوگ ہیں جن کے اندر ایمان ہے، جو اللہ، رسول اور آخرت کو مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان قلبی کیفیت کا نام ہے، البتہ اس کا اظہار انسان کی عملی زندگی سے ہوتا ہے۔

اہلِ ایمان کے اوصاف

آگے کی آیات میں اہل ایمان کی پہچان بتائی گئی ہے۔ ان کا پہلا وصف یہ ہے: الَّذِینَ هُم فِی صَلَاتِهِم خٰشِعُونَ (جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں) اس آیت میں ان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے صرف اپنی پیشانی ہی نہیں ٹیکتے، بلکہ ان کا دل بھی جھکا رہتا ہے۔ 'خشوع' دل کی کیفیت کا نام ہے اور ظاہر اس کی دلیل ہے۔ ظاہر اور باطن دونوں کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔

ان کا دوسرا وصف یہ بیان کیا گیا: وَ الَّذِینَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ۔ (جو لغو سے اعراض کرتے ہیں)۔ جن کی پہچان یہ ہے کہ سوسائٹی جن بے معنی کاموں کی دل دادہ ہے اور جن لغویات میں پھنسی ہوئی ہے، وہ اس سے دور رہتے ہیں۔ کہیں گندگی ہے اور کوئی اس میں دل چسپی لے تو یہ خود اس کے گندے ہونے کی دلیل ہے۔ شریف اور مہذّب آدمی وہاں نہیں رکے گا، بلکہ اپنا رخ پھیر لے گا۔ جو آدمی بامقصد ہوگا وہ بے کار، بے ہودہ اور بے مقصد کاموں میں دل چسپی نہیں لے گا۔

ادائے زکوٰۃ۔ اہلِ ایمان کا ایک نمایاں وصف

اہلِ ایمان کا تیسرا وصف قرآن نے یہ بیان کیا ہے: وَ الَّذِینَ هُم لِلزَّکوٰةِ فٰعِلُونَ (جو زکوٰۃ پر عمل پیرا ہیں)۔ یہ اللہ کے بندے مسلسل اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی جوش میں آ گئے، یا وقتی تحریک ہوئی تو کچھ خرچ کر دیا، بلکہ وہ اللہ کی راہ میں مسلسل مال خرچ کرتے ہیں اور یہ سوچ کر کرتے ہیں کہ ہمارا

مال پاک ہوجائے اور ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو۔

زکوٰۃ کے اندر پاکی صفائی کا بھی تصور پایا جاتا ہے۔اس سے اعلیٰ کردار ابھرتا ہے۔اہلِ ایمان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ بااخلاق ہوتے ہیں اور خاص طور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ بات مکے میں بتائی گئی تھی ۔ وہاں حکومت نہیں تھی، افراد تھے۔ پھر ہجرت کے بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو بہت ساری چیزوں کو قانونی شکل دی گئی، چنانچہ زکوۃ کو بھی قانونی شکل دی گئی۔

مکہ میں اللہ کے نیک بندوں کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی تھی: وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ المعارج: ۲۴۔ (جن کے اموال میں حق ہے، مانگنے والے کے لیے اور نہ مانگنے والے کے لیے)۔اس آیت میں 'اموال' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔مال کئی طرح کے ہوتے ہیں: کسی کے پاس روپیہ پیسہ ہے، کسی کے پاس زمین ہے، کسی کے پاس جانور ہیں، کسی کا کاروبار ہے، اسی لیے جمع کا صیغہ 'اموال' استعمال کیا گیا۔ کہا گیا کہ ان کے مالوں میں ایک متعین حق ہوتا ہے۔ یہ 'متعین حق' مکی دور میں شریعت نے صاف الفاظ میں نہیں بتایا تھا، اسے ان کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا۔ فرمایا گیا کہ ان کے مال میں ایک 'متعین حصہ' ہے۔ کس کے لیے؟ فرمایا گیا کہ 'سائل' (مانگنے والے) کے لیے اور 'محروم' کے لیے۔ 'سایل'، وہ شخص ہے جو اپنی ضرورت بیان کرتا ہے۔بعض حالات میں اس کی گنجائش ہے کہ آدمی کہے کہ میری یہ پریشانی ہے، میرا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے، میری صحت خراب ہے، میرے بچے کا یہ مسئلہ ہے، اس کے لیے وہ دوسروں سے مدد طلب کرسکتا ہے۔ 'محروم' وہ ہے جو سوال نہیں کرتا، خواہ وہ تنگ دست اور پریشان حال ہی کیوں نہ ہو۔ بہت سے لوگ اتنے خود دار ہوتے ہیں کہ اپنی ضرورت کا اظہار نہیں کرتے، یہاں ان ہی کا ذکر ہے۔ وہ وسائلِ معیشت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں ہے جو کاسۂ گدائی لے کر گھومتے ہیں۔

احادیث میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں۔لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں: بعض لوگ اپنی مجبوری میں سوال کر لیتے ہیں۔کسی مہذب آدمی کو دیکھا،کسی تنظیم کو دیکھاتو وہاں اپنی درخواست پیش کردی،لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے اپنے وقار کے منافی سمجھتے ہیں۔وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی سے اپنی پریشانی بیان نہیں کرتے۔قرآن نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ کسی کے پیچھے پڑ کر کچھ نہیں مانگتے: لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً(البقرۃ: ۲۷۳) قرآن نے اہلِ ایمان کے بارے میں کہا کہ ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حصہ ہے۔ یہ حصہ قانون نے مقرر نہیں کیا ہے، بلکہ وہ خود مقرر کرتے ہیں۔ یہ کیفیت ہمیں اپنے اندر بھی پیدا کرنی چاہیے اور اپنے رفقاء میں بھی۔

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کی کفالت کرے اور ان کی معاشی ذمے داری لے،جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری دور میں کیا۔آپؐ نے فرمایا:

من ترک مالاً فلورثته،ومن ترک کلاًّ فالینا‘‘(بخاری ومسلم)
’’جوشخص کچھ مال چھوڑ کر گیاہےتو وہ اس کے ورثاء کا ہے اور جوشخص
بےسہارا اولاد چھوڑ کر گیا ہے، اس کی کفالت میرے ذمے ہے۔‘‘

لیکن جہاں اسلامی ریاست نہیں ہے، وہاں اہل ایمان کو خود اختیاری طور پر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ان کے مالوں میں ایک متعین حصہ ہو۔ یہ بات قرآن میں بہت سے مقامات پر کہی گئی ہے۔سورۂ معارج میں کہا گیا ہے کہ انسان کی فطری کم زوری یہ ہے کہ وہ حالات سے بہت جلد متاثر ہوجاتا ہے۔خوش حال زندگی ہوتو اسے بڑا اطمینان ہونے لگتا ہے،لیکن جیسے ہی حالات بدلتے ہیں، وہ فوراً گھبرا جاتا ہے۔حالاں کہ حالات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔اگر آج اچھے حالات ہیں تو کل خراب ہوسکتے ہیں۔آج خراب حالات ہیں تو کل ٹھیک ہوسکتے ہیں۔انسان کی کم زوری یہ ہے کہ وہ اس طرح نہیں سوچتا۔قرآن کہتا ہے کہ جن لوگوں کا اللہ سے تعلق ہوتا ہے وہ اسی طرح

سوچتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعاً إِلَّا الْمُصَلِّينَ (سورۂ معارج: ۱۹۔ ۲۲)

''انسان تھڑ دِلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوش حالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں''۔

آگے ان نمازیوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا متعین حق ہے۔ وہ روز جزا کو برحق مانتے ہیں اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں (آیات ۲۳۔ ۲۷)

اللہ کے احسانات پر شکر گزاری کا طریقہ

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بہت سے احسانات کیے ہیں۔ اس کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے جانور نہیں بنایا، کیڑا مکوڑا نہیں بنایا۔ یہ کتنا بڑا احسان ہے اس کا! پھر یہ کہ اس نے اسے آنکھ، کان، دل و دماغ دیے۔ وہ جسے چاہتا ہے مال و دولت سے بھی نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے زیادہ احسانات ہیں کہ آدمی اگر اس کا شکر ادا کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ آدمی اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہے؟ جو سانس نکلی ہے، اگر وہ رک جائے تو ختم ہوجائے گا اور جو سانس وہ لے رہا ہے، اگر وہ رک جائے تو ختم ہوجائے گا۔ قرآن کہتا ہے کہ شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔ غالباً یہ تصور دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ سورۂ بلد میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَاناً وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيماً ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ

(آیات: ۸۔ ۱۶)

''کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے؟ اور دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھا دیے؟ مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔''

ان آیات میں خدمتِ خلق کے کاموں کو 'بلند گھاٹی' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عرب کی سوسائٹی میں اس بات پر فخر کیا جاتا تھا کہ میرے پاس اتنے غلام ہیں۔ قرآن نے کہا کہ اللہ کے احسانات کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسانوں کو آزاد کرو۔ اگر کوئی شخص معاشی پریشانی میں گرفتار ہے یا موسم کی خرابی سے خشک سالی ہے، کسان مر رہے ہیں، کھیتی باڑی کی کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے تو ایسی صورت میں وہاں تمہاری دولت صرف ہونی چاہیے۔ صرف یہ وعظ کرنا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے کسان مر رہے ہیں، خودکشی کر رہے ہیں، قرض میں پھنس گئے ہیں، کافی نہیں ہے۔ جہاں غربت ہو، فاقہ ہو، وہاں کھلاؤ۔ قرابت داروں میں کوئی یتیم ہے تو اس کی طرف توجہ کرو، کوئی مسکین ہے، جو مٹی سے اَٹا ہوا ہے، زمین سے لگا ہوا ہے، اٹھ نہیں پا رہا ہے تو اسے اٹھاؤ۔

اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان صرف اپنی دولت ہی نہ صرف کرے، بلکہ وعظ و نصیحت کے ذریعہ، افہام و تفہیم کے ذریعہ، جذبات کو اپیل کر کے، آخرت کا اجر و ثواب بیان کر کے، ایسا ماحول بنائے کہ دوسرے لوگ بھی اپنا مال خرچ کریں۔ سورۂ ماعون قرآن مجید کی چھوٹی سورتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

أَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (آیات ۱۔۳)

''تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے۔ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔''

جماعت اسلامی ہند کی کوششیں

جماعت اسلامی ہند کے ارکان و وابستگان کو دونوں طرح سے کام کرنا چاہیے: ایک تو یہ کہ ہم سے ہر شخص اپنے وسائل کی حد تک اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مال و دولت سے آدمی کو محبت ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جتنی بھی دولت ہو، سمیٹ کر رکھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مال و دولت سے آدمی کا دل نہیں بھرتا، حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ اس کے برائے نام حصہ سے ہی وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، باقی سب دوسروں کا ہے۔ قرآن اہلِ ایمان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ حسبِ توفیق اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ دوسرا کام رفقائے جماعت کو یہ کرنا چاہیے کہ وہ اللہ کی راہ میں انفاق کا ماحول بنائیں، لوگوں کے اندر احساس پیدا کریں کہ سماج کے مستحق افراد کی مدد ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ فردِ واحد کچھ نہیں کرسکتا، لیکن اگر پورا ماحول بن جائے تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ جماعت اسلامی ہند چاہتی ہے، اپنے رفقاء سے، اپنے کارکنوں سے، اپنے ہم دردوں سے، اپنے تعلق رکھنے والوں سے، چاہے وہ بڑی حیثیت والے ہوں یا کم حیثیت والے، کہ وہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی متوجہ کریں۔ ہماری پالیسی و پروگرام میں یہ بات بار بار لکھی جاتی ہے کہ لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی طرف متوجہ کیا جائے۔ یہ اسلام کی تعلیم کا ایک حصہ ہے کہ آپ ایسا ماحول بنائیے، ایسے حالات پیدا کیجیے کہ لوگوں کو احساس ہو کہ ایک شخص تکلیف میں ہے، اس کی تکلیف جتنی دور کرسکتے ہیں، کریں۔ اس طرح کے ماحول کا پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

جماعت میں شروع سے یہ کام ہوتا رہا ہے، مرکز میں بھی اور حلقوں میں بھی، لیکن یہ کام بہت محدود پیمانے پر ہوتا تھا۔ اب جماعت نے سوچا ہے کہ یہ کام نسبتاً بڑے پیمانے پر ہو۔ اس کے لیے مرکز میں باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک ذمہ دار متعین کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس سے زیادہ توجہ اور منصوبہ بندی سے خدمتِ خلق کا کام ہوسکے گا اور مرکز اور حلقوں کے درمیان زیادہ بہتر ربط و تعاون ہوگا۔ (خدمت خلق کے موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور')